آسان عروض اور شاعری کی بنیادی باتیں

قسط۔۸

سرور عالم راز سروؔر

۸۔۱ : تقریب

ایک مدت کے بعد عروض پر مضامین کے اس سلسلہ کی قسط۔۸ آج پیش کی جارہی ہے۔اس تاخیر کا سبب کچھ تو راقم الحروف کی غیر معمولی مصروفیات ہیں اور کچھ زندگی کے دوسرے ہنگامی حالات۔ان اسباب میں مَیں احباب کی اس سلسلہ کی جانب سے کم توجہی کا ذکر نہیں کرتا ہوں کیونکہ وہ اب ایک قصۂ پارینہ ہوچکی ہے جس کا اعادہ تحصیل لاحاصل ہے۔میں اُن دوستوں کا دلی شکرگزار ہوں جنھوں نے ان مضامین کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے اور جن کی ہمت افزائی میرے لئے باعث امتنان ہے۔یہ مضامین اپنی مکمل شکل میں ایک مختصر کتاب پر محیط ہوں گے۔میرا ارادہ ہے کہ ان کو نظر ثانی اور مناسب ترمیم وتنسیخ کے بعد یا تو چھپوانے کی کوشش کی جائے یا کم از کم ان کو PDF format میں منتقل کرکے Internet پر ہی شائع کردیا جائے تاکہ جو وقت اور محنت اس کام میں لگائے گئے ہیں وہ ضائع نہ جائیں۔ممکن ہے کہ کسی کا ان مضامین سے بھلا بھی ہوجائے!

قارئین کو اس سلسلہ میں کہیں کہیں تکرار مضمون duplication نظر آسکتا ہے۔ایک تو یہ مضمون کی پیچیدگی کا تقاضا ہے،دوسرے چونکہ مضامین کی مختلف قسطیں مختلف وقتوں میں لکھی گئی ہیں اس لئے بھی کبھی دانستہ اور کبھی نادانستہ ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے۔اس سے کم سے کم یہ تو ہوگا کہ آپ کو لوٹ کر پرانے مضامین دہرانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی!مضامین کے اختتام پر جب انھیں کتابی صورت میں یکجا کیا جائے گا تو دقت نظر سے ان کی مختلف خامیاں نکال دی جائیں گی اور مضامین میں تسلسل،معنویت اور توازن بحال کردئے جائیں گے۔قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اپنے تاثرات وتجاویز بے کم وکاست اس لڑی میں عنایت فرمائیں۔اس سے قبل جو سوالات مختلف مضامین کے حوالے سے کئے گئے ہیں اور جن کا جواب میں بوجوہ اب تک نہیں دے سکا ہوں ان کے جوابات پر مشتمل ایک مکمل مضمون آخر میں لکھنے کا ارادہ ہے۔

پچھلی قسط۔۷ میں تقطیع کے چند بنیادی اصولوں پر تفصیل سے گفتگو کی گئی تھی۔زیرِنظر قسط میں اِن بنیادی اصولوں کا سلسلہ پورا کیا جارہاہے۔ :بنیادی: کا لفظ اس لئے لکھا گیا ہے کہ اصولِ تقطیع اتنے متنوع اور متعدد ہیں کہ سب کا احاطہ ان مختصر مضامین میں ممکن نہیں ہے اور ہمارے محدود مقاصد کے پیش نظر شاید ضروری بھی نہیں۔ جیسا کہ اس سے قبل بھی کہا جاچکا ہے کہ اُردو میں بیشتر عروضی اصول عربی اور فارسی سے لئے گئے ہیں لیکن چونکہ اردو زبان فارسی اور عربی سے مماثلت کے باوجود بڑی حدتک ان سے مختلف بھی ہے اس لئے عربی فارسی کے تمام اصول جوں کے توں اُردو میں اپنائے نہیں جاسکے ہیں۔بعض جگہ ان اصولوں کی ترمیم شدہ شکلیں اختیار کی گئی ہیں۔یہ شکلیں دراصل اس قرض کا عملی اور عروضی اعتراف ہیں جو اُردو پر مقامی زبانوں اور بولیوں کا ہے چنانچہ اُردو عروض میں کئی قوانین ایسے اختراع کئے گئے ہیں جو مقامی زبانوں اور علاقائی اثرات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایسی مثالیں ان صفحات میں آگے جابجا نظر آئیں گی۔بہرکیف مضامین کے اس سلسلہ میں اصولِ تقطیع مکمل طور سے بیان نہیں ہوسکے ہیں۔آئندہ جیسی ضرورت محسوس ہوگی،مناسب مقامات پر مزید اصول پیش کردئے جائیں گے یا ایک ضمیمہ کی شکل میں سلسلہ کے خاتمہ پر لکھ دئے جائیں گے۔جس دن پیش رفت اور ترقی کا یہ جذبہ مرگیا اُس دن جسمانی زندگی چاہے باقی رہے لیکن ذہنی اور روحانی زندگی ضرور ختم ہوجائے گی اور اسی سے جی ڈرتا ہے۔ بقول خواجہ میر دردؔ:

مجھے یہ ڈر ہے،دلِ زندہ تو نہ مرجائے　　　کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

اس قسط میں اصولِ تقطیع کی وضاحت کی غرض سے جابجا اشعار پیش کئے جارہے ہیں لیکن کچھ طوالت کے خوف سے اور کچھ سردست الجھن سے بچنے کی خاطر ایسے اشعار کی تقطیع کو اگلی قسطوں تک کے لئے ملتوی کردیا گیا ہے۔اصولوں کے بیان اور مناسب وضاحت کے بعد تقطیع پر مفصل گفتگو کی جائے گی اور اس میں اِن تمثیلی اشعار کی تقطیع کا بیان بھی شامل ہوگا۔میرا خیال ہے کہ ایک مرتبہ تقطیع کا عمل ذہن نشین ہوجائے تو تقطیع کرنا اور تمثیلی اشعار کو سمجھنا زیادہ آسان ہوگا۔اگر کہیں کسی مصرع کی تقطیع دینا ناگزیر ہوگیا ہے تو کوشش کی گئی ہے کہ ایسا سہل ترین افاعیل کے ذریعہ سے کیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆

۸۔۲ : کچھ قسط۔۸ کے بارے میں

تقطیع کے اصولوں کا یہ سلسلہ قریب الاختتام ہے۔اس قسط کے ساتھ تقریباً سب ضروری اصول بیان کئے جا چکے ہوں گے۔ قسط۔۹ سے مختلف اشعار کی تقطیع کی جائے گی اور بحروں کا مفصل بیان شروع کیا جائے گا۔ اس کے بعد شاعری کے چیدہ چیدہ رموز و نکات پر گفتگو کی جائے گی۔بحروں کے بیان کی پہلی فصل میں ان کے زحافات کی فہرست بھی پیش کی جائے گی۔یہ اشد ضروری ہے کہ اس قسط کے اختتام پر تقطیع کے متعلق وہ بنیادی باتیں دُہرالی جائیں جو اس سے قبل مختلف اسباق میں لکھی جا چکی ہیں تا کہ میرا اور آپ دونوں کا کام نسبتاً سہل ہو جائے۔

۸۔۳ : تقطیع کے مزید چند اصول (گزشتہ سے پیوستہ)

۸۔۳۔۱ : اسقاط حروف

:اسقاط حروف: کو عام طور پر: حروف کا مصرع کی تقطیع میں گرنا یا دبنا: (یعنی پوری طرح ادا نہ ہونا) بھی کہتے ہیں۔حرف کسی مصرع میں یا تو پوری طرح گرایا جاتا ہے یا بالکل نہیں گرایا جاتا، یعنی یا تو وہ زبان سے بالکل ہی ادا نہیں ہوتا ہے یا پوری طرح ادا ہوتا ہے۔اس لئے یہ کہنا کہ :مصرع میں فلاں حرف تھوڑا سا دب یا گر رہا ہے: کوئی معنی نہیں رکھتا۔اسقاط حرف کا مطلب یہ ہے کہ متعلقہ حرف کو مصرع کی تقطیع میں محسوب یا شمار نہیں کیا جائے گا گویا مصرع کا وزن اُس حرف کو تقطیع میں نظر انداز کرنے کے بعد ہی پورا ہوتا ہے۔اسقاطِ حروف ایک عروضی عمل ہے جو شعر کے حروف پر کیا جاتا ہے اور اس کا شعر کی تفعیل پر (یعنی افاعیل کے ذریعہ اس کے اظہار پر) کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ حروف کے اسقاط میں افاعیل اپنی پوری اور اصلی شکل میں قائم رہتے ہیں جب کہ مصرع یا شعر کے کچھ الفاظ چند اصولوں کے تحت ملفوظ نہیں کئے جاتے یا پوری طرح زبان سے ادا نہیں کئے جاتے ہیں۔کچھ حروف ایسے ہیں جن کا اسقاط عروضی اصولوں کے تحت لازمی اور ناگزیر ہے اور کچھ حروف ایسے ہیں جن کا اسقاط شاعر کے اختیار میں ہے، یعنی وہ حسبِ ضرورتِ شعری انھیں گرا بھی سکتا ہے اور انھیں پوری طرح ملفوظ بھی کر سکتا ہے۔بعض حروف ایسے ہیں جن کا اسقاط جائز اور قابل قبول ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کا اسقاط ناجائز اور ناقابل قبول ہے۔ڈاکٹر جمال الدین جمالؔ نے اپنی مشہور کتاب: تفہیم العروض:

میں بہت تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ہم یہاں اس کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے اس کی تراکیب استعمال کریں گے اور اس میں دی ہوئی وضاحتوں کو مزید وسیع اور عام فہم بنانے کی کوشش کریں گے۔

عروض کے اصولوں کے پیش نظر اسقاط حروف کو تین اقسام میں بانٹا جا سکتا ہے:

(A) اسقاطِ لازم: یعنی وہ اسقاطِ حروف جو تقطیع میں لازمی اور ناگزیر ہے اور جس سے مفر ممکن نہیں ہے۔ جہاں یہ صورت پیش آئے گی وہاں حرف کا گرانا ضروری ہوگا۔اسقاط لازم کا اطلاق شعر کے تمام حروفِ مکتوبہ غیر ملفوظہ (یعنی ایسے حروف جو لکھے تو جائیں لیکن پڑھنے یا بولنے میں جن کو ادا نہ کیا جائے) پر ہوتا ہے۔اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

(B) اسقاط غیر لازم،اختیاری،جائز: یعنی وہ اسقاط جو بعض حروفِ مکتوبہ ملفوظہ (یعنی وہ حروف جو لکھے بھی جائیں اور جن کو بولنے یا پڑھنے میں ادا بھی کیا جائے) اور بعض حروفِ غیر مکتوبہ ملفوظہ (یعنی ایسے حروف جو لکھے تو نہ جائیں لیکن بولنے یا پڑھنے میں جن کی آواز سنائی دے) پر شاعر اپنی مرضی سے ضرورت شعری کے پیش نظر کر سکتا ہے۔ایسا اسقاط جائز تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے،یعنی یہ کہیں ہو سکتا ہے اور کہیں نہیں۔

(C) اسقاط ناجائز: جو حروف اوپر لکھی ہوئی قسم (A) اور (B) میں شامل ہیں،ان کے علاوہ شعر میں کسی اور حرف کا اسقاط مطلق ناجائز ہے۔اگر شعر میں ایسے حروف کا اسقاط کیا جائے گا تو وہ غلط قرار پائے گا۔

اب ان سب اقسام کی وضاحت اور مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے نفس مضمون سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

(A) اسقاطِ لازم: ڈاکٹر جمال الدین جمالؔ نے "تفہیم العروض" میں اسقاط لازم کا اطلاق پندرہ صورتوں پر بتایا ہے۔ان میں سے چند کا مختصر بیان پچھلی اقساط میں کسی اور حوالے سے ہو چکا ہے۔یہاں کچھ عام صورتوں کا اجمالی ذکر ہوگا اور صرف وہی صورتیں تفصیل سے بیان کی جائیں گی جو زیادہ اہم ہیں۔ان کی مناسب وضاحت کے لئے اشعار اور ان کی تقطیع بھی دی جائے گی تا کہ بات ذہن نشین ہو جائے۔

(a) مخلوط حروف: یعنی وہ حروف جو کسی حرکت (زیر،زبر،پیش) کے بغیر اپنے ماقبل (یعنی اپنے سے پہلے آنے والے) حرف کی آواز میں جذب ہو کر ایک منفرد دو (۲) حرفی آواز پیدا کرتے ہیں اور اس طرح اپنی آواز کھو بیٹھتے ہیں۔چنانچہ ایسے حروف تقطیع میں ہمیشہ گرا دئے جاتے ہیں،گویا اگر ان حروف کو تقطیع میں شمار کیا جائے تو

شعر ناموزوں ہو جائے گا۔ اپنی اس مخلوط صورت میں ان کا شمار حروف مکتوبہ غیر ملفوظہ میں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ :دھوکہ: لیجئے۔ اس میں ہائے مخلوط (یا دوچشمی ھ) اپنے ماقبل حرف :د: سے مل کر ہندی کے حرف :دھ: کی مخصوص و منفرد آواز پیدا کر رہی ہے اور اس طرح ایک نئے مخلوط حرف :دھ: کو جنم دے رہی ہے۔ ایسی دوچشمی :ھ: ہمیشہ ساقط کر دی جاتی ہے یعنی تقطیع میں :دھوکہ: کو :دوکہ: لکھا جائے گا اور اسی طرح اس کی تفعیل (افاعیل کے ذریعہ اظہار) بھی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس کو :دَھوکہ: (:د: اور :ھ: دونوں پر زبر کے ساتھ) نہ تو لکھ سکتے ہیں اور نہ ہی پڑھ سکتے ہیں۔ اس کا تلفظ ہی :دھوکہ: (دوکہ) ہے اور تقطیع ملفوظی ہوتی ہے چنانچہ :ھ: کی آواز کا اسقاط لازم قرار پائے گا۔

یہی کیفیت لفظ :کیوں: میں :ی: کی ہے۔ یہاں بھی :ی: اپنے ماقبل حرف :ک: میں جذب ہو کر ایک ملی جلی آواز پیدا کر رہی ہے جس کو تقطیع میں :کوں: سے نہیں بلکہ (نونِ غنہ ساقط کرنے کے بعد؛ اس کی تفصیل آگے آئے گی) :کو: سے ادا کیا جائے گا اور اسی طرح اس کی تفعیل بھی ہوگی۔ اُردو میں ایسے حروف جو اپنے ماقبل سے مخلوط ہو سکتے ہیں اور اسی لئے جن کا اسقاط لازم اور ناگزیر ہے تعداد میں پانچ (۵) ہیں :ھ، ی، ت، و، ر:۔ جمال صاحب نے آج کل اُردو شاعری میں انگریزی کے الفاظ کے استعمال کے حوالے سے ان حروف میں :ڈ، ٹ: کا بھی اضافہ کیا ہے (لارڈ، گارڈ، کورٹ، پورٹ، آرٹ، پارٹ)۔ لیکن یہاں ان کو نظر انداز کیا جا رہا ہے اور اس گفتگو کو صرف اُردو الفاظ تک محدود رکھا جا رہا ہے۔

مخلوط حروف کی مثالیں اور ان کے بعد چند ایسے اشعار مثال کے طور پر پیش کئے جا رہے ہیں جن میں مخلوط حروف استعمال کئے گئے ہیں۔ حسب ضرورت اُن کی ملفوظی یا تقطیعی :شکل قوسین (۔۔۔) میں لکھ دی گئی ہے۔ دیگر تفصیل آئندہ اقساط میں تقطیع کے دوران دی جائے گی۔ بعض الفاظ میں نونِ غنہ بھی آتی ہے۔ عروض میں نون غنہ ہمیشہ ساقط کر دی جاتی ہے۔ تفصیل آئندہ آئے گی۔ یہاں ایسی نون غنہ کو ساقط ہی دکھایا گیا ہے۔

(ا) ھ: دودھ (دوُد)؛ بھائی (بائی)؛ گھاٹ (گاٹ)؛ دھیمی (دیمی)؛ جھروکہ (جروکہ)؛ بھروسہ (بروسہ)؛ تھرکنا (ترکنا)؛ ٹھیکہ (ٹیکہ)؛ چھری (چری)؛ ڈھیر (ڈیر)؛ ڈھب (ڈب)؛ کھیت (کیت)؛ دھیان (دان)

(ب) ی: بیاہ (باہ)؛ پیاس (پاس)؛ تیاگ (تاگ)؛ جیوڑا (جوڑا)؛ چیونٹی (چوٹی)؛ سیاہ (ساہ)؛ شیام

(شام)؛ کیا (کا)؛ کیوں (کو)؛ گیان (گان)؛ دھیان (دان)

(پ) ت: پرداخت (پرداخ)؛ تاخت (تاخ)؛ تافت (تاف)؛ چاشت (چاش)؛ کاشت (کاش)؛
ساخت (ساخ)؛ راست (راس)؛ یافت (یاف)؛ سوخت (سوخ)؛ پوست (پوس)؛ دوست (دوس)؛
کوفت (کوف)؛ گوشت (گوش)

(ت) و: سوانگ (سانگ)؛ خواب (خاب)؛ خوامخواہ (خامخاہ)؛ خوابیدہ (خابیدہ)؛ خواندہ (خادہ)۔

(ٹ) ر: پریم (پیم)؛ پریت (پیت)؛ پران (پان)؛ کرشن (کشن)

ایسے مخلوط حروف جن کا اسقاط کیا جائے گا نیچے دیئے اشعار میں درج ہیں:

دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے تمھیں کیسا چاہا (حسنؔ بریلوی) پوچھنا یہ ہے کہ تم نے ہمیں کیسا دیکھا

چھپے وہ مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی (حسرتؔ موہانی) وہ چاہتے تھے نہ دیکھے کوئی ادا میری

تماشا دیکھئے محشر میں قاتل مجھ سے لڑتا ہے (حفیظؔ جونپوری) کہ اپنے خون کا دھبہ چھڑا دے میرے دامن سے

حقیقتوں پر نظر نہیں ہے (قائمؔ نقوی) کریں تو کیا دھیان گیان خالی

رنج و غم ہجر کے گزر بھی گئے (سحرؔ لکھنوی) اب تو وہ دھیان سے اُتر بھی گئے

نامرادانہ زیست کرتا تھا (میرؔ) میر کی وضع یاد ہے ہم کو

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا (غالبؔ) زخم کے بھرنے تلک، ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

ٹھوکریں کھاتا ہوں لیکن جا رہا ہوں سوئے دوست (نظیرؔ دہلوی) دیکھتا ہی کچھ نہیں میں اس سفر کے سامنے

شناخت ہو تو گئی اپنے اور پرائے کی (رئیس الدین رئیسؔ) نہیں ہے غم کوئی عمر عزیز کھونے کا

ابھی آتی ہے بوٗ بالش سے اس کی زلف مشکیں کی (غالبؔ) ہماری دید کو خواب زلیخا عار بستر ہے

کدھر ہے ساقیٔ بزمِ شبِ ماہ (بنواری لال شعلہؔ) کھلا بندِ نقابِ حسنِ دلخواہ

دیکھا نہ ہوگا خواب میں بھی یہ فروغ حسن (شیفتہؔ دہلوی) پردے کو اس کے جلوے نے گلشن بنا دیا

کون اے دوست اتنا پیارا ہے (فراقؔ گورکھپوری) ہم سوا تیرے کس کو پیار کریں

منڈپ کے تلے کھڑی ہے رس کی پتلی (فراقؔ گورکھپوری) جیون ساتھی سے پریم کی گانٹھ بندھی

پریمی کے ساتھ کھانے کا وہ عالم (فراؔق گورکھپوری) چھلکے پہ وہ ہاتھ، جسم نازک میں وہ خم

(b) الف وِصل: ایسا الف جو کسی اسم یا فعل کے شروع میں آئے اور جس کا ماقبل حرف متحرک ہو اور جو لکھا تو جائے لیکن بولنے یا پڑھنے میں جسے ادا نہ کیا جائے (یعنی جو مکتوب تو ہو لیکن ملفوظ نہ ہو): الف وصل: کہلاتا ہے۔ چونکہ تقطیع ملفوظی ہوتی ہے چنانچہ الف وصل ہمیشہ ہی ساقط کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ: بالفرض: کو لیجئے۔ اس کا الف: فرض: کے شروع میں آیا ہے اور اس کا ماقبل حرف: ب: متحرک ہے (اس پر زیر لگا ہوا ہے)، مزید یہ کہ: بالفرض: کی ادائیگی میں یہ الف وصل ادا نہیں ہوتا ہے اور اس کو: بِل فرض: پڑھا اور بولا جاتا ہے۔ چنانچہ : بالفرض: کی تقطیع میں بھی یہ آواز: بل فرض: ہی محسوب کی جائے گی۔ اُردو میں اس قسم کے بہت سے الفاظ مستعمل ہیں۔ مثال کے طور پر: بالکل: (بِل کُل)؛ بالفرض (بِل فرض)؛ بوالہوس (بُل ہَوَس)؛ بوالعجب (بُل عَجَب)؛ بالاتفاق (بِل اتّفاق)؛ دارالاقامہ (دارُل اِقامہ)؛ مافی الضمیر (مافِض ضمیر)؛ حجرالسود (حَجَ رُل اَسود)؛ شریف النفس (شریفُن نفس)؛ عبدالرشید (عبدُ رَرشید)؛ بعیدالعقل (بعیدُل عقل): وغیرہ۔ ان سب الفاظ کی وہ صورت تقطیع میں شمار کی جائے گی جو قوسین میں لکھی گئی ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھئے:

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی (غالبؔ) اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسدؔ (غالبؔ) جانتے ہیں سینۂ پُرخوں کو زنداں خانہ ہم

(c) تنوین فتحی (یعنی وہ آواز جو کسی حرف پر دو زَبر لگانے سے پیدا ہو)

جن الفاظ پر تنوین فتحی ہوتی ہے ان کے آخر میں ایک الف فاضل لکھ دیا جاتا ہے اور اُس پر دو (۲) زبر لگا کر تنوین کا اظہار کیا جاتا ہے۔ الفاظ کی ادائیگی میں یہ الف نہیں پڑھا جاتا ہے اور دو زبر کی آواز: نون: کی طرح سنائی دیتی ہے۔ مثال کے طور پر لکھتے: اتفاقاً: ہیں اور پڑھتے اور بولتے: اِتّفاقن: ہیں۔ ایسی صورت میں تقطیع بھی اسی ملفوظی آواز: اتّفاقن (اِت تِفا قَن): کو ظاہر کرے گی۔ اُردو میں تنوین فتحی والے متعدد الفاظ مستعمل ہیں: اتفاقاً (اتّفاقن)؛ عموماً (عمومن)؛ معمولاً (معمولن)؛ یقیناً (یقینن)، اشارتاً (اشارتن)، کنایتاً (کنایتن)؛ آناً فاناً (آنَن فانَن)؛ مجبوراً (مجبورَن)، شکایتاً (شکایتَن)؛ اِرادتاً (اِرادتَن) وغیرہ۔ ایسے سب الفاظ میں وہی ملفوظی صورت تقطیع میں محسوب ہوگی جو قوسین میں لکھی گئی ہے۔ ایسی تنوین فتحی کی مثال ملاحظہ کیجئے:

اگر تو اتفاقاً مل بھی جائے (حفیظ ہوشیار پوری) تری فرقت کے صدمے کم نہ ہوں گے

کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونا دفعتاً (حسرت موہانی) اور دوپٹے سے ترا وہ منھ چھپانا یاد ہے

(d) وہ نون غنہ جو کسی حرف علت (الف، واو، یے) کے بعد آئے تقطیع میں ہمیشہ ساقط کر دیا جاتا ہے یعنی گرا دیا جاتا ہے۔ اُردو میں ایسے سیکڑوں الفاظ مستعمل ہیں۔ چند الفاظ بطور مثال لکھے جاتے ہیں۔ ان کی ملفوظی شکل (یعنی زبان سے ادا کی جانے والی شکل) جو تقطیع میں محسوب کی جائے گی قوسین میں دی جا رہی ہے: آنگن (آگن)؛ بانٹ (باٹ)؛ توند (تود)؛ پینده (پیده)؛ ٹانکنا (ٹاکنا)؛ جھینگر (جیگر)؛ چاند (چاد)؛ چونکہ (چوکہ)؛ دھاندلی (دادلی)؛ بانگ (باگ)؛ مانگ (ماگ)؛ نیند (نید)؛ راندۂ درگاہ (رادۂ درگاہ)؛ سوندھا (سودا)؛ سونڈ (سوڈ)؛ آنچل (آچل)؛ گیند (گید)؛ گونج (گوج)؛ بانجھ (باج)؛ باندی (بادی)؛ سینگ (سیگ)؛ بوند (بود)؛ چونکنا (چوکنا) وغیرہ۔

نوٹ: واضح رہے کہ جن الفاظ میں حرف علت کے بعد :نونِ غنہ: ہے اور اس کے بعد ہائے مخلوط :ھ: بھی ہے، ان میں :نونِ غنہ: اور :ہائے مخلوط: دونوں ہی کا اسقاط کیا جائے گا اور اسی حالت میں ان کو تقطیع میں محسوب بھی کیا جائے گا۔

دل ہمارا نہ ہوا، آپ ہمارے نہ ہوئے (ہجر شاہجہاں پوری) لوگ غیروں کو بنا لیتے ہیں کیونکر اپنا

گماں مجھ پر ہے اس کو داد خواہی کی شکایت کا (سالک دہلوی) قیامت ہو گیا حق میں مرے آنا قیامت کا

وہ آئے کھینچ کے تلوار سب کو شاد کیا (امیر مینائی) امیر آج بہت ہم نے تم کو یاد کیا

نیند اُس کی ہے، دماغ اُس کا ہے، راتیں اُس کی ہیں (غالب) تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

بادہ کش بن گئے کیا شہر کے سارے واعظ (مائل دہلوی) ایک انبار ہے میخانے میں دستاروں کا

وہ سمجھتے ہیں ہماری آہ سوزاں بے اثر ہوگی (نظر لکھنوی) یہ بجلی کوند جائے گی تو دنیا کو خبر ہوگی

ہاتھ اس کے ٹوٹیں توڑے ہیں جس نے ظروف مے (اشرف کسمنڈوی) سرمایہ میری زیست کا دست سبو میں تھا

چلی ہزار ہوا، لاکھ آندھیاں آئیں (اسیر لکھنوی) تری گلی سے مری خاکِ ناتواں نہ اُٹھی

(e) وہ نونِ غنہ جو کسی مقصورہ حرکت (یعنی زیر، زبر، پیش) کے بعد آئے مگر اُس حرکت کو ادائیگی میں کھینچا نہ

جائے تقطیع میں لازماً گرادی جاتی ہے۔مثال کے طور پر لفظ: کنول: (ایک قسم کا پھول جو پانی میں پیدا ہوتا ہے) کو لیجئے۔اس کا تلفظ: کَں وَل: ہے جس میں :ں: سے نونِ غنہ کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یہاں :نونِ غنہ: کا ماقبل حرف :ک: ہے جس پر زبر لگا ہوا ہے لیکن اس زبر سے :ک: کو کھینچ کر ادا نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس :ک: کے بعد آنے والے :ں: کو وزن میں شمار نہیں کیا جائے گا اور ساقط کر دیا جائے گا۔اسی طرح کی دوسری مثالیں درج ذیل ہیں: :کنول (کَوَل)؛سنگھار (سِگار)؛بھنور (بَوَر)؛انگارہ (اَگّارہ)؛ہنسی (ہَسی)؛تنگ (تَگ)؛ننگ (نَگ)؛ کنوارا (کُوارا)؛لنگر (لَگّر)؛بنگال (بگّال)؛ننگا (نَگّا)؛اُنگلی (اُگلی)؛چنگاری (چِگّاری)؛سنبھل (سَبَل)؛ دنگل (دَگّل)؛کنکر (کَکّر)؛سنوارنا (سَوارنا) وغیرہ۔اس کی مثالیں اشعار میں دیکھئے۔

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے (غالبؔ) یہ جانتا اگر تو مٹاتا نہ گھر کو میں
مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالبؔ (غالبؔ) یار لائے اسے بالیں پہ مرے پر کس وقت
طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ (غالبؔ) دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو
رنگ لاتا ہے شب ماہ میں جوبن کیا کیا (منیرؔ لکھنوی) چاندنی میں تری پرچھائیں پری ہوتی ہے
رنگِ دنیا سے رہا عالم فانی میں جدا (چکبستؔ لکھنوی) جیسے لہروں سے کنول رہتا ہے پانی میں جدا
تھے جو ہم رنگ نازان کے ستم (حسرتؔ موہانی) دل کی اُمیدواریاں نہ گئیں
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں (غالبؔ) لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

(f) وہ نون جو کسی لفظ میں حرف علت کے بعد آئے عام طور سے بولنے اور پڑھنے میں ادا کیا جاتا ہے اور نون معلن (یعنی ایسا نون جس کا اعلان یا ادائیگی واضح طور پر کی جائے) کہلاتا ہے۔مثلاً: آسمان، جہان، زبان، امتحان، دین، حسین، حیران، بیابان، خون، جنون، زمین: وغیرہ میں :نون: کو پوری اور صحیح آواز کے ساتھ ادا کیا جا رہا ہے۔ لیکن جب یہی الفاظ کسی ترکیب کا دوسرا حصہ ہوں تو ان کا نونِ صحیح یا نونِ معلن تبدیل ہو کر نونِ غنہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے چنانچہ :زیرِ آسماں؛ دَورِ جہاں؛ زیرِ زباں، شبِ امتحاں، عقیدۂ دیں، پیکرِ حسیں، دیدۂ حیراں؛ خارِ بیاباں؛ جوئے خوں؛ جوشِ جنوں؛ خطۂ زمیں: کے آخری نون کی آواز :نونِ غنہ: کی ہوگی۔ اب اس حالت میں چونکہ نون غنہ کا ماقبل ایک حرف علت (الف، واو، یے) ہے اس لئے اصولاً ایسی تراکیب کا

آخری نون غنہ تقطیع میں ہمیشہ گرادیا جائے گا۔ اگر اِن الفاظ کو: زیرِ آسمان؛ دَورِ جہان؛ زیرِ زبان؛ شبِ امتحان؛ عقیدۂ دین؛ پیکرِ حسین؛ دیدۂ حیران؛ خارِ بیابان؛ جوئے خون؛ جوشِ جنون؛ خطۂ زمین: لکھا جائے تو نون کا اعلان کرنا پڑے گا۔ ایسے نون کا اعلان ناجائز ہے۔ چنانچہ انھیں نونِ غنہ کے اسقاط کے بعد ان الفاظ کو: زیرِ آسما؛ دورِ جہا: زیرِ زبا: شبِ امتحا؛ عقیدۂ دی: پیکرِ حسی؛ دیدۂ حیرا: خارِ بیابا: جوئے خو؛ جوشِ جنو: خطۂ زمی: کی طرح محسوب کیا جائے گا۔ چند اشعار مثال کے طور پر دیکھئے:

جوئے خوں بہنے دو آنکھوں سے کہ ہے شامِ فراق (غالبؔ) میں سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

مری مجبوریاں مشقِ ستم سے باز رکھیں گی (حسرتؔ موہانی) ترا شوقِ ستم ظالم خیالِ امتحاں تک ہے

اس سوختۂ بے سروساماں کو نہ چھیڑو (شیخ مصحفیؔ) رہنے دو پڑا مصحفیٔ خاک بسر کو

ضبطِ تکلیف ہوا گریۂ خونیں کا سبب (اشرفؔ کسمنڈوی) گل کھلاتی ہے نسیمِ غمِ پنہاں کیا کیا

حاشیہ: یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ اگر اساتذہ شخصی اور ذاتی پسند یا شاعرانہ اجتہاد کی بنا پر اپنے اشعار میں مذکورہ نون کا اعلان کریں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اصولِ عروض سے واقف نہیں۔ البتہ ان کا ایسا اجتہاد چونکہ اصولِ عروض کے خلاف ہے لہٰذہ ہمارے لئے قابلِ تقلید بھی نہیں ہے۔ اکثر (لیکن ہمیشہ نہیں!) جب اساتذہ راہِ عام یا اصولِ عروض سے ہٹ کر کوئی ایسی بات اپنے کلام میں نظم کرتے ہیں تو قارئین کو اس سے آگاہ بھی کر دیتے ہیں۔ جگر مرادآبادی نے اپنی مشہور غزل:

عشق کی داستان ہے پیارے اپنی اپنی زبان ہے پیارے

کے مقطع میں: فخرِ ہندوستاں: کی جگہ: فخرِ ہندوستان: باندھا ہے۔ ساتھ ہی یہ حاشیہ بھی لکھ دیا ہے کہ "میں اس اعلانِ نون کو جائز سمجھتا ہوں"۔ مقطع یوں ہے:

تیرا دیوانہ غریب جگر فخرِ ہندوستان ہے پیارے

(g) واوِ معدولہ: الفاظ میں واوِ معدولہ ہمیشہ حرف: خ: کے بعد آتی ہے اور اس سے مل کر ایک ہلکی سی پیش کے ساتھ ادا ہوتی ہے۔ اگر حرف: خ: کے بعد: الف: بھی ہو تو: خ: اور: الف: مل کر ایک منفرد اور مخلوط آواز دیتے ہیں۔ ایسی واوِ معدولہ ہمیشہ ہی لازماً تقطیع میں گرا دی جاتی ہے۔ اس کا ذکر اُن مضامین میں پہلے آچکا ہے۔ واوِ

معدولہ کے استعمال کی چند مثالیں درج ذیل ہیں اور حسب معمول ان کی ملفوظی (تقطیعی) شکل قوسین میں لکھ دی گئی ہے:

:خوش (خُش)؛ خود (خُد)؛ خواب (خاب)؛ خودی (خدی)، خوانچہ (خانچہ)؛ خواجہ (خاجہ)؛ خورد (خُرد)؛ خواہش (خاہش)؛ خوار (خار)؛ خوان (خان)؛ خواہ مخواہ (خاہ مخاہ): وغیرہ۔

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار (غالبؔ) کیا پوجتا ہوں اُس بت بیداد گر کو میں

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے (اقبالؔ) خدا بندے سے خود پوچھے: بتا تیری رضا کیا ہے:

جھکا پڑتا ہے بسمل خود بخود شمشیر آہن پر (بنواری لال شعلہؔ) سمٹ کر آ گیا سارے بدن کا بوجھ گردن پر

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے میں خوش رہا (غالبؔ) یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

(h) ایسی ہائے علت جو کسی لفظ کا آخری حرف ہو اور وہ لفظ کسی ایسی ترکیب کا حصہ بھی ہو جس سے اس کے دوسرے ٹکڑے کی صفت بیان ہوتی ہو، تقطیع میں محسوب نہیں ہوتی ہے اور ہمیشہ گرا دی جاتی ہے۔ نیز ایسی ہائے علت کی آواز ایک زیر لگی ہوئی ہمزہ کی طرح ادا کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ ایسے الفاظ کی ملفوظی صورت ہے اس لئے تقطیع میں ان الفاظ کو محسوب بھی انھیں شکلوں میں کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر: دیدۂ حیراں (دیدَ ءِ حیرا)؛ جلوۂ جاناں (جلوَ ءِ جانا)؛ وعدۂ فردا (وعدَ ءِ فردا)؛ پردۂ کعبہ (پردَ ءِ کعبہ)؛ نالۂ دل (نالہ ءِ دِل): وغیرہ کو ان کی قوسین میں دی ہوئی شکلوں میں محسوب کیا جائے گا۔

الٰہی دیدۂ حیراں کھلا نہ رہ جائے (بنواری لال شعلہؔ) ٹھہر نہ جائے کہیں انتظار آنکھوں میں

بوئے گل، نالۂ دل، دُودِ چراغ محفل (غالبؔ) جو تری بزم سے نکلا، سو پریشاں نکلا

اب لب پہ وہ ہنگامۂ فریاد نہیں ہے (فانیؔ بدایونی) اللہ رے تری یاد کہ کچھ یاد نہیں ہے

اللہ کرے خیر مرے شیشۂ دل کی (ذوقؔ دہلوی) پھر آج وہ مست مۓ بیداد غضب ہے

(i) ہائے حرکت: ایسی ہائے ہوّز یعنی چھوٹی: ہ: جو اپنے ماقبل حرف کو حرکت دینے کے لئے لکھی جائے: ہائے حرکت: کہلاتی ہے۔ یہ نہ تو ہائے صحیح کی طرح استعمال ہوتی ہے (جیسے: بہنا، کہہ، گھر، شہرت، مشاہدہ: وغیرہ میں سنائی دے رہی ہے) اور نہ ہائے علت کی طرح اپنے ماقبل حرف کو کھینچنے کے لئے (جیسے: افسانہ، کاشانہ، نشانہ،

آئینہ: وغیرہ میں ہے)استعمال کی جاتی ہے۔ ہائے حرکت کا استعمال ایسے ہوتا ہے جیسے :یہ،وہ،کہ،نہ،چنانچہ، چونکہ،کیونکہ،حالانکہ: وغیرہ میں دکھائی دیتا ہے۔ان الفاظ میں :ہ: اپنے ماقبل حرف کی حرکت کی نشاندہی کرتی ہے۔اس کا اپنا کوئی وزن نہیں ہوتا ہے۔چنانچہ اس کو تقطیع میں محسوب نہیں کیا جاتا ہے بلکہ مذکورہ الفاظ کی قوسین میں دی ہوئی شکل (ملفوظی شکل)یعنی:یہ(یِ)؛ وہ(وُ)؛کہ(کِ)؛ نہ(نِ)؛ چناچہ(چنان چِ) ؛کیونکہ (کیوں کِ)؛حالانکہ(حالاں کِ):محسوب کی جاتی ہے۔ اشعار پیش خدمت ہیں:

تمھیں غیروں سے کب فرصت،ہم اپنے غم سے کب خالی
چلو بس ہو چکا ملنا، نہ تم خالی نہ ہم خالی (جعفر علی حسرتؔ)

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں (غالبؔ) شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں

اے شورِ قیامت ہم سوتے ہی نہ رہ جائیں (میرؔ) اس راہ سے نکلے تو ہم کو بھی جگا جانا

(j) ایسے الفاظ جن میں تین ساکن حروف یکے بعد دیگرے آئیں

اس موضوع پر مضامین کے اس سلسلہ میں پہلے بھی مختصر لکھا جا چکا ہے۔زیرِ نظر قسط میں قدرے تفصیل سے گفتگو کی جائے گی۔کسی لفظ میں یکے بعد دیگرے تین ساکن حروف کے وقوع کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔اُردو میں ایسے الفاظ ہمیشہ حرف:ت:پر ختم ہوتے ہیں جیسے:تاخت؛ساخت؛دوست؛چاشت؛کاشت؛بافت؛ دریافت؛یافت؛پرداخت؛شناخت؛زیست؛درخواست؛برداشت؛فروخت؛سوخت؛گوشت؛نیست؛ کوفت:وغیرہ۔ایسے سب الفاظ میں درج ذیل خصوصیات مشترک ہیں:

(۱) آخری تین ساکن حروف میں سے پہلا حرفِ علت(الف،واو،یے)ہے۔

(۲) دوسرا ساکن حرف موقوف ہوتا ہے یعنی اس پر کوئی حرکت(زبر،زیر،پیش)نہیں ہوتی۔

(۳) تیسرا ساکن حرف دوسرے ساکن حرف میں گھلا ملا(یعنی مخلوط)ہوتا ہے اور اس کے ساتھ مل کر ایک نئی اور منفرد آواز پیدا کرتا ہے۔چونکہ یہ تیسرا حرف دوسرے حرف سے مخلوط ہوتا ہے اس لئے اصولاً اسے تقطیع میں ہمیشہ ساقط کر دیا جاتا ہے۔

دوسرے ساکن حرف کی تقطیعی شکل تھوڑی سی مختلف ہے۔تین ساکن حروف والا لفظ اگر مصرع کے بالکل

آخر میں آئے تو تیسرا ساکن حرف، دوسرے ساکن حرف سے مخلوط ہونے کی وجہ سے لازماً ساقط الوزن ہوتا ہے اور دوسرا ساکن حرف چونکہ اب موقوف ہے اس لئے اسی صورت میں محسوب کیا جاتا ہے۔ البتہ اگر تین ساکن حروف والا لفظ مصرع کے درمیان میں آئے تو تیسرا ساکن حرف تو تقطیع میں پہلے کی طرح گرا دیا جاتا ہے لیکن دوسرا ساکن حرف متحرک کر دیا جاتا ہے اور اپنی حرکت کے ساتھ ہی تقطیع میں محسوب ہوتا ہے۔

نامرادانہ زیست کرتا تھا (میؔر) میؔر کا طور یاد ہے ہم کو

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا (غالبؔ) زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

شکایت دوست کر سکتے ہیں تیری کہہ نہیں سکتے (داغؔ دہلوی) کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے، ایسا ہو نہیں سکتا

ٹھوکریں کھاتا ہوں لیکن جا رہا ہوں سوئے دوست (بے نظیؔر) دیکھتا ہی کچھ نہیں میں اس سفر کے سامنے

شناخت ہو تو گئی اپنے اور پرائے کی (رئیس الدین رئیس) نہیں ہے غم کوئی عمر عزیز کھونے کا

(k) اگر تین ساکن حروف والے الفاظ پر کچھ حروف کا اضافہ کر کے نئے الفاظ بنائے جائیں تو دو صورتیں ممکن ہیں:

(۱) اگر تین ساکن حروف میں جوڑے جانے والے حروف میں سے پہلا حرف متحرک ہے (یعنی اس پر زیر، زبر، پیش لگا ہوا ہے) تو تینوں ساکن حروف میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور وہ اوپر دئے ہوئے اصول کے پابند رہیں گے۔ مثال کے طور پر: دوستداری، کاشت کاری، گوشت خوری، خواستگاری: وغیرہ میں چونکہ: داری، کاری، خوری، گاری: کی بالترتیب: دال، کاف، خے، گاف: متحرک ہیں اس لئے ان کا ماقبل حرف: ت: موقوف یا ساکن ہی رہے گا گویا ان الفاظ کا تلفظ: دوسداری، کاشکاری، گوش خوری، خاس گاری: کیا جائے گا اور اسی صورت میں یہ تقطیع میں محسوب بھی ہوں گے۔

دوستدارِ دشمن ہے، اعتمادِ دل معلوم (غالبؔ) آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا

(۲) اگر تین ساکن حروف میں بڑھائے جانے والے حروف کا پہلا حرف ساکن ہے تو اس طرح لفظ میں چار ساکن حروف یکجا ہو جاتے ہیں جو اصولاً ناجائز ہے۔ اس لئے تیسرے ساکن حرف کو متحرک کر دیا جاتا ہے یعنی اس پر زیر، زبر یا پیش کی حرکت فرض کر لی جاتی ہے اور پھر یہ الفاظ اسی شکل میں محسوب ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر: دوستی، راستی، نیستی، شناختی: میں حرف: ت: متحرک کر دیا گیا ہے اور اب وہ اپنے ماقبل سے مخلوط نہیں ہے،

چنانچہ اب یہ تقطیع میں ساقط نہیں ہوسکتی بلکہ محسوب کی جائے گی۔ البتہ: دوستی، راستی نیستی: کا: س: اور: شناختی: کا: خ: اب بھی موقوف ہے یعنی اس پر کوئی حرکت نہیں ہے۔ چونکہ اب یہ لفظ کے اندر واقع ہوا ہے اس لئے شعر میں متحرک ہو جائے گا بالکل اسی طرح جیسے موقوف حروف لفظ کے اندر واقع ہونے کی بنا پر شعر میں متحرک مانے جاتے ہیں اور تقطیع میں ایسے ہی محسوب ہوتے ہیں۔ لہٰذہ اب ان الفاظ کا تلفظ اِن پر زبر کی حرکت فرض کر کے تقطیع کی غرض سے یوں کیا جائے گا: دوسَتی؛ راسَتی؛ نیسَتی؛ شناخَتی:۔ نیچے مثال کے طور پر چند اشعار دئے جا رہے ہیں:

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح (غالبؔ) کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غم گسار ہوتا

(B) اسقاط غیر لازم، اختیاری، جائز

اس شق کے تحت اُردو کے وہ حروف لئے جاتے ہیں جو پڑھنے یا بولنے میں تو ہمیشہ ادا کئے جاتے ہیں (گویا یہ حروف ملفوظ ہیں) لیکن شاعر کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ حسب ضرورت و موقع انھیں ملفوظ ہی رکھ کر تقطیع میں انھیں محسوب کرے یا چاہے تو ان کو وزن میں شمار نہ کرے اور اس طرح وہ تقطیع میں ظاہر نہ ہوں۔ کون سا حرف کب تقطیع میں محسوب ہوگا اور کب نہیں، اس بات کا انحصار مصرع کی تفعیل اور اس حرف کے محلِ وقوع اور ستعال پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک ہی لفظ کا ایک مخصوص حرف ایک شعر میں ملفوظ ہوسکتا ہے (اور اس لئے تقطیع میں محسوب بھی ہوگا) لیکن دوسرے شعر میں وہی حرف غیر ملفوظ (اور اس لئے تقطیع یا وزن سے خارج) ہوسکتا ہے۔ بلکہ ایک ہی مصرع میں کسی لفظ کے ایک حرف کو ایک جگہ ملفوظ اور محسوب الوزن اور دوسری جگہ غیر ملفوظ اور ساقط الوزن کر دینا بھی عین ممکن ہے۔ ڈاکٹر جمال الدین جمالؔ صاحب نے: تفہیم العروض: میں اس کیفیت کا وقوع گیارہ صورتوں میں بیان کیا ہے۔ ان میں سے چند کا ذکر دوسرے حوالوں سے پہلے ان مضامین میں آ چکا ہے۔ مزید چند صورتوں پر یہاں کچھ تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

(a) الف علت جو کسی ہندی یا ہندوستانی لفظ کے آخری حرف کے طور پر واقع ہو

اُردو میں ایسے سیکڑوں الفاظ ہیں جن کا شمار ہندی، ہندوستانی یا کسی دوسری علاقائی زبان میں ہوسکتا ہے اور جو الفِ علت کی درج بالا تعریف پر پورے اُترتے ہیں۔ یہ الفاظ اب ہر طرح سے اُردو کا حصہ ہیں۔ مثال کے

طور پر: میرا، تیرا، تمھارا، کھانا، کہا، کیا، گیا، ہوگا، آئے گا، سنا، ستایا، رکھا، چکھا، بھاگا، نکھرنا، گرنا، چرانا، پڑا، دیکھا، ہمارا، گرا، نرالا: وغیرہ، علیٰ ہٰذا القیاس۔ ایسے سب الفاظ کا آخری: الف: شاعر حسب ضرورت وموقع گرا سکتا ہے اور تقطیع میں محسوب بھی کرسکتا ہے۔ تقطیع کے بیان میں اس کی مثالیں دی جائیں گی۔ یہاں چند ایسے اشعار لکھے جارہے ہیں جس میں مذکورہ الفِ علت استعمال ہوا ہے۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں (غالبؔ) خیاباں خیاباں اِرم دیکھتے ہیں

وصیت میرؔ نے مجھ سے یہی کی (میرؔ) کہ سب کچھ ہونا تو' عاشق نہ ہونا

کیا جانئے بیٹھا ہے کہاں جاکے وہ جرأتؔ (جرأتؔ) اک چاندسی صورت کا مجھے دھیان لگاکر

میں نہ مانوں گا یہ ظلمت اُسے کس دن تھی نصیب (تسلیمؔ لکھنوی) ہوگئے ہوں گے شریک ِ شبِ محشر گیسو

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اس شق کے تحت: جہاں، کہاں، یہاں، وہاں، نہاں: وغیرہ کا الف بھی وزن سے ساقط کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان سب الفاظ کے آخر میں نونِ غنہ ہے جس کا اسقاط لازم ہے۔ اور اسقاطِ نونِ غنہ کے بعد ان الفاظ میں الف ان کا آخری لفظ ہوجاتا ہے!

(b) وہ الفِ صحیح جو کسی بھی لفظ کے شروع میں واقع ہو

ایسا الفِ صحیح نثر میں ہمیشہ ملفوظ ہوتا ہے یعنی پڑھتے یا بولتے وقت اسے پوری طرح ادا کیا جاتا ہے اور یہ صاف سنائی دیتا ہے جیسے اِسی جملہ میں: ایسا، اسے، ادا، اِسی: میں ملفوظ ہورہا ہے۔ البتہ شعر میں شاعر کو اختیار رہوتا ہے کہ وہ حسب موقع وضرورت اس کو یا تو تقطیع میں محسوب کرے یا چاہے تو اس کو گرادے۔ ساتھ ہی یہ بھی ایک شرط لازم ہے کہ اگر الفِ صحیح شعر کے پہلے لفظ کا پہلا حرف ہے تو اس کو ہمیشہ ہی ملفوظ (زبان سے ادا) کرنا ہوگا اور اسی وجہ سے یہ تقطیع میں محسوب بھی ہوگا۔ البتہ اگر یہ الفِ صحیح مصرع کے بیچ میں آنے والے کسی لفظ کا پہلا حرف ہو تو شاعر کے لئے اس کا گرانا یا اسقاط اختیاری ہوجاتا ہے اور اصول شعر میں یہ جائز مانا جاتا ہے۔ اگر ایسے الف کا ماقبل حرف ساکن ہے تو جب الف کو گرایا جائے گا تو اس کی حرکت اس کے ماقبل حرف پر منتقل ہوجائے گی، مثلاً اگر متعلقہ لفظ کے الفِ صحیح پر زبر تھا تو یہ خود ساقط ہوکر تقطیع میں محسوب نہ ہوگا لیکن اس کا ماقبل جب محسوب کیا جائے گا تو اس پر زبر مانا جائے گا۔ اسی پر دوسری حرکات کو قیاس کرلیجئے۔ چند مثالیں نیچے دی جارہی ہیں:

یادِ اُس کی اِتنی خوب نہیں میؔر باز آ (میؔر) نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا (غالبؔ) اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

آ کے آواز اپنی جب در پر سنا جاتے ہو تم (جرأتؔ) لب پہ میرے مہر خاموشی لگا جاتے ہو تم

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے (غالبؔ) ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

حاشیہ:

(۱) چونکہ اہل عرب کی طرح اہل ہندوپاک :ع: کو اُس کے صحیح مخرج سے ادا نہیں کر سکتے ہیں اور اسے ہمیشہ :الف: کی طرح ادا کرتے ہیں (مثلاً عرب:ارب؛ عرض:ارض؛ معمور؛مامور: کے تلفظ میں کوئی فرق نہیں کر سکتے ہیں) اس لئے کچھ شاعر :ع: کے ساتھ بھی :الف صحیح: کا سا سلوک روا رکھتے ہیں اور ایسے :ع: کو بھی ساقط کر دیتے ہیں جو کسی لفظ کے شروع میں واقع ہو۔ یہ مطلق غلط اور ناجائز ہے۔ علم عروض کے اصول کے مطابق :ع: کا مذکورہ اسقاط کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ اس کی مثالیں بعض اساتذہ کے یہاں بھی مل جاتی ہیں۔ یہ اساتذہ شاعری میں ہمارے لئے سند ضرور ہیں لیکن ان کی اغلاط کو ہم سند نہیں بنا سکتے ہیں۔ سند کے لئے ضروری ہے کہ وہ اصول عروض کی بھی پابند ہو۔ نیچے ایسے :ع: کے غلط اسقاط کی چند مثالیں دی جا رہی ہیں۔

ہم عرض تمنا کئے جا رہے ہیں (محمودؔ سرحدی) وہ سمجھے نہ سمجھے، وہ مانے نہ مانے

کون عہدِ وفا اُس بت سفاک سے باندھے (شیخ مصحفیؔ) سرکاٹ کے عاشق کا جو فتراک سے باندھے

امید و یاس، وفا و جفا، فراق و وِصال (فراقؔ گورکھپوری) مسائل عشق کے ان کے سوا کچھ اور بھی ہیں

(۲) اسی طرح بعض شعرا ہائے ہوّز (یعنی چھوٹی :ہ:) اور ہائے حطّی (یعنی بڑی :ح:) کو بھی ساقط الوزن کر دیتے ہیں۔ یہ بھی اصولاً بالکل غلط اور ناجائز ہے۔ فراقؔ گورکھپوری کا یہ شعر دیکھئے:

آج نہ جانے کیوں ہوتا ہے دل میں درد ہلکا ہلکا سا

آجَن ؛ جانے : کوہو؛ تا ہے دل مے ؛دردَل؛ کا ہل؛ کا سا

فَعِلُن ؛ فَعلُن ؛ فَعلُن ؛ فَعلُن فَعلُن ؛ فَعلُن ؛ فَعلُن ؛ فَعلُن

اس طرح پہلے :ہلکا: کی :ہ: ساقط الوزن ہو گئی ہے، یعنی وزن سے گر گئی ہے اور :دَرد: کی :د: سے :ہلکا: کی :ہ: تک صحیح

انتقال تلفظ ممکن نہیں رہا ہے۔:ہ: کا یہ اسقاط ناجائز اور غلط ہے۔

جو کچھ ہو سو ہو، مجھے بھاگنا، ترے در سے کارِنکو نہیں

کہاں چھپ سکے ہے یہ رُوسیہ کوئی ہے جگہ جہاں تو نہیں (مرزا رفیع سوؔدا)

(c) ایسی ہائے ہوّز (یعنی چھوٹی:ہ:) جو کسی لفظ کے آخر میں حرف علت کے طور پر آئے (یعنی اس کی اصل آواز ملفوظ نہ ہو جیسے: کہہ، شہر، مشہور، دہکنا، مہک، جوہر، بہادر: میں ہو رہی ہے) تو حسب ضرورت وزن سے گرائی جا سکتی ہے۔ اُردو میں ایسے سیکڑوں الفاظ مستعمل ہیں جہاں یہ صورت پیش آتی ہے۔ مثلاً: وہ، یہ، کہ، پردہ، بندہ، خانہ، جلوہ، سینہ، فتنہ، قطرہ، سایہ، سرمایہ، لالہ، غنچہ، آئینہ، ہمیشہ، دھوکہ، معاملہ، آبلہ، کشتہ، کدہ، فائدہ، بوسہ، ذرہ، تماشہ، ارادہ، نظارہ، ہمسایہ، ترانہ، فسانہ، نگینہ: وغیرہ۔ ایسی :ہ: کے اسقاط کی صورت میں اس کا ماقبل حرف اپنی حرکت (زیر، زبر، پیش) کے ساتھ باقی رہتا ہے اور تقطیع میں محسوب ہوتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو (مومؔن) وہی وعدہ یعنی نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

فقیرانہ آئے صدا کر چلے (میؔر) میاں خوش رہو ہم دُعا کر چلے

قابل دید ہے یہ رُسوائی (حفیؔظ جونپوری) ہم تماشا ہیں وہ تماشائی

اُن کا یہی سننا ہے کہ وہ کچھ نہیں سنتے (داؔغ دہلوی) میرا یہی کہنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

(d) وہ: واوِ علت: (یعنی ایسی :واو: جو اپنی فطری مخصوص آواز میں ادا نہ کی جائے بلکہ اپنے ماقبل حرف کو حرکت دینے کے لئے لکھی جائے) جو الفاظ کے آخر میں آئے تقطیع میں حسب ضرورت و موقع گرائی جا سکتی ہے۔ اس صورت میں ایسی :واو: کا ماقبل اپنی حرکت کے ساتھ ملفوظ و محسوب کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر: کو، تو، جو، تو'، سو'، جو'؛ آوَ: وغیرہ میں :واو: کے اسقاط کے بعد ان کی بالترتیب ملفوظی شکل یوں ہوگی: کو(کُ)؛ تو(تُ)، جو(جُ)؛ تو'(تَ)؛ سو'(سَ)؛ جو'(جَ)؛ آوَ(آءُ):۔ اسی طرح بعض اوقات ایسی :واو: جو الفاظ کے بیچ میں واقع ہو گرائی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر: کوئی؛ کو: کُئی: کے وزن پر باندھنا جائز ہے۔ اسی طرح: یونہی: کو: یُنہی: اور: سوئے میخانہ: کو: سُئے میخانہ: محسوب کرنا جائز ہے۔ یہ بات ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ شعر میں ایسے الفاظ کی مکتوبی صورت نہیں بدلتی ہے البتہ ان کی ادائیگی میں :واو: کا مذکورہ اسقاط ظاہر ہوتا ہے اور اسی لئے صرف شعر کی تقطیع میں

تفعیل ایسے اسقاط کو ظاہر کرتی ہے۔

کوئی نا امیدانہ کرتے نگاہ (میرؔ) سو تم ہم سے منھ بھی چھپا کر چلے
کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر (میرؔ) جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے
ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی (حالؔی) دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں
کب تک تری شوخی سے شوخی کو حجاب آئے (ہوسؔ) اے فتنۂ بیداری تو سوئے تو خواب آئے
رہنے دو پڑا مصحفیؔ خاک بسر کو (شیخ مصحفیؔ) اس سوختۂ بے سروساماں کو نہ چھیڑو

(e) واوِلَین: وہ:واو: جو الفاظ کے بیچ میں یا آخر میں اس طرح آئے کہ اُن کی آواز کو: پھیلا کر یا چوڑی کر کے: ادا کرے:واوِلَین: کہلاتی ہے۔مثال کے طور پر لفظ: اَور،طَور: میں: واوِلَین: استعمال ہوئی ہے۔شعر کی تقطیع میں :واوِلَین: کا اسقاط ناجائز اور نا قابل قبول قرار دیا گیا ہے خواہ وہ الفاظ کے اندر واقع ہو یا اُن کے آخر میں آئے۔ اس اصول پر تمام اساتذہ کا اتفاق ہے۔لہٰذہ: سَو؛ جَور؛ تَوبہ؛ بَوچھاڑ؛ پَودہ؛ چَوڑا؛ حَوض؛ خَوض؛ دَور؛ رَوضہ؛ زَوجہ؛ سَودا؛ شَوق؛ صَومعہ؛ ضَو؛ طَور؛ طَوق؛ شَوق؛ غَور؛ فَوراً؛ قَول؛ گَور؛ لَو؛ لَوٹ؛ مَوت؛ نَو؛ رَو؛ ہَول: وغیرہ میں: واوِلَین: کو گرایا نہیں جا سکتا ہے۔اس قاعدہ سے صرف لفظ :اَور: مستثنٰی ہے۔ اس کو واوِلین کے اسقاط کے ساتھ باندھنا عام ہے۔ڈاکٹر جمال الدین جمالؔ نے ایسی بندش کو: غلط العام: کہا ہے اور اس سے پرہیز کی تاکید کی ہے۔لیکن :اَور: میں واوِلَین کا اسقاط اساتذہ میں اس قدر عام ہے کہ اس سے اب مفر ممکن نہیں رہا ہے۔شاید ہی کوئی استادِ فن ایسا ہوگا جس نے واوِلین کا اسقاط نہ کیا ہو۔

اُن کو حالؔی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہمان (حالؔی) دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت
آپ کو دیکھتا ہوں اے مائلؔ (مائلؔ دہلوی) اور امامت کو دیکھتا ہوں میں
بس کہ روکا میں نے اور سینہ میں ابھریں پے بہ پے (غالبؔ) میری آہیں بخیۂ چاک گریباں ہو گئیں

(f) واوِعطف: وہ:واو: جو دو الفاظ کو جوڑنے میں استعمال ہو:واوِعطف: کہلاتی ہے اور ایسی تراکیب: عطفی تراکیب: کہی جا سکتی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ عطفی تراکیب کے الفاظ یا تو دونوں فارسی یا عربی کے ہوں یا ایک فارسی اور ایک عربی ہو۔ایسے ترکی الفاظ سے بھی یہ اشتراک جائز ہے جو اُردو میں مستعمل ہیں۔ عطفی تراکیب کی

چندمثالیں دیکھئے: روز وشب، رنج وغم، ارض وسما، زمین وآسماں وغیرہ۔ واوِعطف کے ذریعہ ایک فارسی یا عربی لفظ سے ایک ہندی لفظ یا دو ہندی الفاظ کو آپس میں نہیں جوڑا جاسکتا ہے۔ چنانچہ: رات ودن؛ گرم وٹھنڈا، رنگ وروپ: لکھنا یا کہنا غلط ہے۔ ان کے بجائے: رات اور دن، رات دن؛ گرم اور ٹھنڈا؛ رنگ اور روپ، رنگ روپ: کہنا ہوگا۔

اُردو میں: واوِعطف: کے تلفظ کی مختلف صورتیں مستعمل ہیں۔ اگر ترکیب کے پہلے لفظ کے آخر میں حرف علت ہو تو اس کا تلفظ: او: کی طرح کیا جاتا ہے جیسے: صحرا ودریا: صحرا(او) دریا؛ ادا وناز: ادا(او) ناز؛ جفا ووفا: جفا(او) وفا؛ وغیرہ۔

تا چند نظر بازی وپابندیٔ تقویٰ (ظہیرؔ دہلوی) ہمسائیگی شعلہ وسیماب کہاں تک

مے ومینا سے یاریاں نہ گئیں (حسرتؔ موہانی) میری پرہیزگاریاں نہ گئیں

امید ویاس ، وفا وجفا، فراق ووِصال (فراقؔ گورکھپوری) مسائل عشق کے ان کے سوا کچھ اور بھی ہیں

اگر عطفی تراکیب کے پہلے لفظ کا آخر میں حرف صحیح ہو (یعنی ایسا حرف جو اپنی اصلی اور فطری آواز میں ادا ہو رہا ہو) تو واوِعطف ساقط کردی جاتی ہے اور اُس کی حرکت (یعنی پیش) اس کے ماقبل حرف پر منتقل ہوجاتی ہے۔ گویا اس صورت میں حرفِ ماقبل پر پیش تصور کی جاتی ہے اور اسی طرح وہ تقطیع میں محسوب بھی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر چند شعر دیکھئے:

اہل دل بھی پردہ دارِ راز مے نوشاں نہیں (قائمؔ چاندپوری) آئینہ ہے شیشہ وساغر کی مے نوشی مجھے

نشو ونمائے سبزہ وگل ہے بہار میں (حسرتؔ موہانی) شادابیوں نے گھیر لیا ہے چمن تمام

رنجش والتفات و نازونیاز (حالیؔ) ہم نے دیکھے بہت نشیب وفراز

رہنے دو پڑا مصحفیؔ خاک بسر کو (مصحفیؔ) اُس سوختۂ بے سروساماں کو نہ چھیڑو

(g) یائے معروف : اُردو میں بے شمار ایسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جن کا آخری حرف یائے معروف (یعنی چھوٹی: ی:) ہوتی ہے۔ ایسی: ی: کا اسقاط شاعر حسب ضرورت وموقع اپنی مرضی سے کرسکتا ہے، مثلاً: کی تھی، یہی، بھی، سہی، خالی، دشواری، ویرانی، تماشائی، خرابی، آتی، جاتی، وادی، طاری، جی، شادی، نمازی: وغیرہ۔

ایسے اسقاطِ یائے معروف کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

اے صنم جس نے تجھے چاندسی صورت دی ہے (آتش) اسی اللہ نے ہم کو بھی محبت دی ہے

کس کی آمد ہے جو ساقی نے تکلف یہ کیا (غافل) کہ گلابی ہیں سبو سرمئی پیمانے ہیں

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے (غالب) رُکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ان کے علاوہ کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں جن کے آخر میں نون غنہ ہوتا ہے لیکن اِس نون غنہ سے پہلے یائے معروف آتی ہے۔نون غنہ عروضی اصول کی بنا پر ہمیشہ ہی تقطیع میں گرا دیا جاتا ہے،لٰہذہ اس عمل کے بعد ایسے الفاظ کا آخری حرف اب یائے معروف ہو جاتی ہے جو زیرِ نظر اصول کے پیش نظر گرائی جا سکتی ہے۔ چند مثالیں دیکھئے:

:کہیں،نہیں،یہیں،وہیں،شاہیں،دلنشیں،نازنیں:وغیرہ

بیٹھتا ہے ہمیشہ رندوں میں (بیخود بدایونی) کہیں واعظ ولی نہ ہو جائے

آپ شرما کے نہ فرمائیں ہمیں یاد نہیں (مضطر خیر آبادی) غیر کا ذکر ہے کچھ آپ کی روداد نہیں

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری (مومن) چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

(h) یائے مجہول : بڑی:ے:یعنی یائے مجہول کی کیفیت بھی یائے معروف ہی کی طرح ہے۔اگر یائے مجہول کسی لفظ کے آخر میں آئے تو شاعر اس کو حسب ضرورت و موقع تقطیع سے ساقط کر سکتا ہے۔اُردو میں بہت سے ایسے الفاظ موجود ہیں جیسے :کے،جیسے،سے،ایسے،تیرے،میرے،اندھیرے،آئے،جائے،آتے،جاتے، اپنے،چپکے،دیکھے،رکھے،خاک کے،سینے،دفینے:وغیرہ۔اشعار کی مثالیں پیش خدمت ہیں۔

گر مرض ہو دوا کرے کوئی (داغ دہلوی) مرنے والے کا کیا کرے کوئی

ترے چھٹنے سے چھوڑا آنسوؤں نے ساتھ آنکھوں کا

گلے مل مل کے آپس میں چلے آتے ہیں دامن تک (نسیم لکھنوی)

صدمہائے شب ہجراں سے گرا جاتا ہوں (تنویر دہلوی) اے تمنائے شب وصل مجھے تھام کہیں

کچھ ایسے الفاظ بھی مستعمل ہیں جن کا آخری حرف تو نون غنہ ہوتا ہے لیکن اس کا ماقبل حرف یائے مجہول (بڑی:ے:) ہوتا ہے۔چونکہ نون غنہ ہمیشہ ہی تقطیع سے گرا دی جاتی ہے لٰہذہ اس عمل کے بعد ایسے الفاظ کا آخری

حرف یائے مجہول قرار پاتا ہے جس کو زیرِ نظر اصول کے تحت ساقط الوزن کیا جاسکتا ہے۔: دیں، لیں، باتیں، میں، راتیں، مرادیں، زبانیں، جئیں، جائیں، کھائیں: وغیرہ ایسے الفاظ کی مثالیں ہیں۔اشعار درج ذیل ہیں:

گلشنِ خلد کی کیا بات ہے کیا کہنا ہے (حسؔن بریلوی) پر ہمیں تیرے ہی کوچے میں پڑا رہنا ہے

میرے جو اشارے سے رکھا گھیر کسی نے (جرأتؔ) سو باتیں سنائیں مجھے منھ پھیر کسی نے

(i) یائے لَین : ایسا: ے: جس سے لفظ کی آواز: پھیل کر: یا: چوڑی ہو کر: ادا ہو : یائے لَین: کہلاتی ہے۔مثال کے طور پر: اَے، ہَے، جَیسے، کَیسے، مَیں، ہَیں، فَیض، طَیش: وغیرہ میں: الف، ہ، ج، ک، م، ہ، ف، ط: کی آواز کو زبر لگا کر: پھیلا: دیا گیا ہے۔ایسے الفاظ کے: یائے لین: ساقط کی جاسکتی ہے۔نون غنہ والے الفاظ کی نون غنہ ہمیشہ ہی گرادی جاتی ہے۔چنانچہ اس عمل کے بعد چونکہ ان کا آخری حرف یائے لین ٹھہرتی ہے اس لئے اس کو بھی زیرِ نظر اصول کے تحت ساقط الوزن کیا جاسکتا ہے۔چند مثالیں دیکھئے:

آپ مرتے تو ہیں پر جیتے ہی بن آئے گی (شیفتؔہ دہلوی) شیفتؔہ ضد پہ جو اپنی وہ ستمگر آیا

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور (حالؔی) عالم میں تجھ سے لاکھ سہی، تو مگر کہاں

تیغ قاتل کو میں کیوں ہاتھ پہ روکا افسوس (مصحفؔی) مصحفؔی میرے تئیں سینہ سپر ہونا تھا

۸۔۴: اختتامیہ

اس قسط کے ساتھ ہی اصول تقطیع کا بیان ختم ہوتا ہے۔مثالوں میں دئے گئے اشعار کی تقطیع کو اگلی قسط میں پیش کیا جائے گا۔اس کے بعد اُردو میں مستعمل بحروں کی تفصیل بیان کی جائے گی اور فن شاعری اور اس کے جملہ رموز و نکات پر گفتگو ہوگی۔اس قسط کے مطالعہ کے دَوران اگر قارئین مثالوں میں دئے گئے اشعار میں وہ نکات تلاش کریں جن کے تحت یہ دئے گئے ہیں اور ان کی تقطیع کی کوشش بھی کریں تو انھیں بہت فائدہ ہوگا۔یہ مضمون نہایت ہنگامی حالات میں لکھا گیا ہے۔اس میں اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں تو ان کی نشاندہی کیجئے۔آئندہ قسط لکھتے وقت پچھلی اقساط پر نظرِ ثانی کی جائے گی اور ان غلطیوں کو دور کرنے کی کوشش بھی کی جائے گی۔اس راہ میں آپ کی رائے اور مشوروں کا تو ہمیشہ کی طرح انتظار رہے گا ہی لیکن میں خود بھی اس منزل میں سرگرداں رہوں گا کیونکہ بقول عرفؔی میں اس راز سے خوب واقف ہوں کہ:

خواہی کہ عیب ہائے تو روشن شود ترا　　　یک دم منافقانہ نشیں در کمینِ خویش

(اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تجھ پر تیرے عیب ظاہر و روشن ہو جائیں تو اپنی ہی کمین میں ایک منافق دشمن کی طرح بیٹھ کر خود پر نظر رکھ)

☆☆☆☆☆☆☆☆